© rasailojaraid.com

ایک بھائی، ایک دوست

سید محمد معاویہ بخاری

۱۴/ نومبر ۲۰۰۹ء کی شب ڈیڑھ بجے میری والدہ ماجدہ کی طبیعت اچانک انتہائی خراب ہوگئی تھی، بے بسی کے عالم میں اور کچھ سمجھ نہ آیا تو اپنے عزیز و مہربان دوست ڈاکٹر عبدالرازق صاحب کو فون کیا اور فوری طور پر علاج کی لیے کوئی دوا تجویز کرنے کی درخواست کی، وہ بے چارے نیند میں تھے، پھر بھی مروت و محبت کے تحت جو کچھ بن پڑا رہنمائی کی جبکہ اگلے دن ۱۵/ نومبر کی دوپہر ڈاکٹر صاحب احوال پُرسی کے لیے خود بہاولپور سے تشریف لے آئے، موصوف محض معالج ہی نہیں ایک علم دوست انسان اور محفلوں کی رونق بھی ہیں، شعر و ادب، سیرت و تاریخ اور اکابر شخصیات سے انہیں گہرا لگاؤ ہے چنانچہ ان کی معیت میں بیٹھے باتیں کرتے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ۱۵/ نومبر کے دن بھی کچھ ایسی ہی صورتحال تھی، شخصیات، اشعار، لطائف اور حالات حاضرہ گفتگو کا عنوان بنتے گئے اور دن ڈھل گیا، ہم لوگ نماز مغرب ادا کر کے بیٹھے ہی تھے کہ میرا بڑا بیٹا ''محمد شراحیل'' پیغام لایا کہ جلدی اندر آئیں بہت ضروری بات کرنی ہے۔ میں آنے والے سنگین و مشکل لمحات سے بے خبر گھر کے صحن میں پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ اور چھوٹے بھائی عثمان بخاری انتہائی پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے، مجھے بطورِ شکوہ و تنبیہ کہا گیا کہ تم تو گپّیں ہانکنے میں مگن ہو کچھ معلوم بھی ہے کیسی قیامت گزر گئی؟ لفظ قیامت سن کر اس کا سیاق و سباق سمجھنے کی کوشش تو بہت کی لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس وقت نہ جملے سمجھ آئے اور نہ ہی صورتحال سمجھ میں آسکی۔ بس فوری طور پر بیمار والدہ کا خیال آیا کہ شاید ان کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہوگئی ہو لیکن پھر دیکھا کہ وہ تو سامنے ہی تشریف فرما تھیں، اس لیے تسلی ہوگئی لیکن مجھے تو گھر میں ایک اہم بات کے لیے بلایا گیا تھا اور پھر قیامت گزرنے کا ذکر بھی ہوا، میں ذہنی طور پر اُلجھا ہوا کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، اس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کرتا، بھائی نے یہ اندوہناک خبر سماعتوں میں انڈیل دی کہ برادر عزیز پروفیسر سید ذوالکفل بخاری کا مکہ مکرمہ میں ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ اس حادثہ میں انتقال کر گئے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں انتہائی کمزور اور کم حوصلہ انسان ہوں اور یہ ناگہانی خبر اتنی بھاری بھرکم تھی کہ میں کھڑا نہیں رہ سکا اور انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے وہیں زمین پر ہی بیٹھ گیا۔ مجھے یہی محسوس ہوا تھا گویا کوئی بلند و بالا عمارت مجھ پر آن گری ہے اور میں اس کے ملبے تلے دفن ہوگیا ہوں — آہ، کیا کہوں کہ وہ لمحات میں نے کیسے بِتائے، حریمِ دل سے اٹھتی بے آواز چیخوں کو اپنے حلق تلے کس طرح دبانا پڑا یہ ناقابل بیان ہے۔ کیا کہوں؟ اور کس سے کہوں؟ کہ لمحہ بھر میں کیا کچھ تھا جو بکھر گیا، کیسی متاع بے بہا تھی جس سے محرومی اور دائمی جدائی کا مژدۂ غم سننا پڑا تھا، ایک بھائی، ایک دوست، ایک استاد، ایک محسن، پیکرِ اخلاق و وفا، ایک مخلص و ہمدرد، ایک بے لوث مددگار، سراپا ادب، ایک انتہائی نفیس و شریف النفس انسان، میرے ابّ و جد کی علمی وراثت کا امین، پلک جھپکنے میں کہاں سے کہاں چلا گیا؟ میں کئی دنوں سے اس کے بارے میں لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر چند سطروں بعد ہی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند پھیلنے لگتی ہے اور پھر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے:

ع　　اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے عزیز بھائی کے سانحۂ وفات کی خبر نے خیمۂ جسم وجاں کی طنابیں ہی کاٹ ڈالی تھیں، میں کچھ دیر تو یونہی زمین پر ہی بیٹھا رہا کہ اٹھنے کی سکت ہی نہ تھی۔ ڈاکٹر عبدالرازق صاحب میرا انتظار کر رہے تھے، انہیں واپس بہاولپور جانا تھا اور اسی عرصہ میں عشا کی اذانیں بھی بلند ہونے لگی تھیں، میں بہت ہمت جتا کر لڑکھڑاتے قدموں سے بیٹھک تک پہنچا اور ڈاکٹر عبدالرازق صاحب سے صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا

ڈاکٹر صاحب! بھائی سید ذوالکفل بخاری مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے ہیں ——

کب، کہاں اور کیسے کی تفصیلات میرے پاس تھیں اور نہ ہی قوت بیان باقی تھی جو کچھ معلوم تھا اور دل ودماغ جس دکھ کی زد میں تھے وہ آنسوؤں کے سیلاب سے واضح تھا—— آپ دارِ بنی ہاشم چلیے میں بھی پہنچتا ہوں —— میرے اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان اس سے زیادہ گفتگو نہیں ہو سکی تھی کیونکہ آنسوؤں کے غبار نے ایک دوسرے کے چہرے پر نمودار ہوتے غم واندوہ کے تأثرات دیکھنے سے بھی عاجز کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد دارِ بنی ہاشم پہنچا تو دیکھا رنج وغم کی کیفیتوں میں ڈوبے کئی جانے انجانے چہرے وہاں عم محترم حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے گرد جمع تھے، عم محترم سے گلے ملتے ہوئے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے، انا اللہ وانا الیہ رجعون پڑھ کر ہم نے ایک دوسرے کو تسلی دینے کی ممکن حد تک کوشش کی پھر اپنے پھوپھا جان سید وکیل شاہ صاحب مدظلہ پر نظر پڑی جو صبر وضبط کا پیکر بنے سب تعزیت گزاروں کو تسلی دے رہے تھے۔ مجھے بڑے بھائی سید کفیل شاہ جی کی تلاش تھی وہ دفتر میں تھے اور ٹیلی فون پر کسی سے بات کر رہے تھے، ہم دونوں بنا کچھ کہے بغل گیر ہو گئے تھے۔ ان لمحوں کی داستان سنانا بہت مشکل ہے بس یوں سمجھ لیجیے کہ دو محروم انسان ایک دوسرے سے مل کر دلجوئی کے نام پر جو حرف تسلی بساط بھر کوشش سے کہہ سکتے تھے کہتے رہے۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ ننھے اور منے میاں کی جوڑی ٹوٹ گئی اور ننھے میاں تنہا رہ گئے۔ بھائی کفیل شاہ جی کو اللہ صبر وحوصلہ دے، آمین

مجھے نہیں معلوم اس وقت میری بزرگ وبیمار پھوپھی جان نے اپنے لختِ جگر سے دائمی فراق کی اندوہناک خبر کس تحمل سے سنی ہوگی؟ البتہ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ کوہِ استقامت بنی ہر تعزیت گزار سے تعزیت قبول فرما رہی تھیں۔ ان کے نورانی چہرے پر رنج وغم کے سائے تو ضرور جھلملاتے دکھائی دیے۔ مگر وہ اپنی ساری کیفیات کو کمالِ ضبط سے سنبھالے بیٹھی تھیں، مجھے مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے بس اتنا ہی فرمایا تھا بیٹا چوٹ تو بہت گہری لگی ہے مگر اللہ کی رضا پر راضی ہوں۔ اس کے حکم کے سامنے میری کیا مجال ہے، اولاد اسی کی عطا کردہ نعمت ہے اس کی امانت ہے، سو اب اس کے پاس ہے۔

سید ذوالکفل بخاری ۱۳/ نومبر ۱۹۶۹ء کو ملتان میں پیدا ہوئے تھے، رمضان المبارک کا مہینہ اور غالباً جمعہ کا دن تھا، ان کی پیدائش اسی مکان میں ہوئی تھی جسے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش گاہ ہونے کا شرف حاصل رہا، میرے بھائی کا یہ اعزاز کم نہیں کہ وہ میری پھوپھی صاحبہ رابعۂ وقت، بنتِ امیر شریعت مدظلہا کے لختِ جگر اور پھوپھا حضرت حافظ سید وکیل شاہ صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے والد ماجد حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے ان کا نام بڑے بھائی محترم حافظ سید محمد کفیل بخاری کے نام کی مناسبت سے سید محمد نبیل بخاری تجویز کیا تھا جبکہ پھوپھا جی سید وکیل شاہ صاحب نے محمد ذوالکفل —— اور پھر یہی نام ان کی پہچان بن گیا۔ سید ذوالکفل بخاری بچپن سے ہی انتہائی ذہین تھے اور انہیں ہر چیز کو گہرے غور وفکر سے دیکھنے پرکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ودیعت ہوئی تھی۔ چند سال کی ابتدائی گھریلو تربیت کے بعد ۱۹۷۷ء میں انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گورنمنٹ پرائمری سکول خیرالمدارس میں دوسری جماعت میں داخل کرایا گیا۔ اساتذہ کا کہنا تھا کہ ماشاءاللہ بچہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہے اس کے سوالات ایسے مربوط و منظّم ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ہم سے جواب بھی نہیں بن پاتا۔ سید ذوالکفل بخاری نے جس پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، وہاں کی خستہ حال ''کرسی میز'' نام کی چیزیں صرف اساتذہ کے لیے مخصوص یا پھر اُنہی کو میسر تھیں اور طلباء بوریا نشین ہی تھے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء میں بوریا نشینی پر مشتمل پرائمری تک کا تعلیمی دور مکمل ہوا تو سید ذوالکفل بخاری اپنے سکول کے واحد طالب علم تھے جن کے بارے میں اساتذہ کا اعتراف تھا کہ اس بچے کو کسی بہت بڑے اسکول اور بہت زیادہ قابل اساتذہ کی ضرورت تھی کیونکہ فطری استعداد کے اعتبار سے ان کا اپنے ہم عمر ساتھیوں سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث بہت آگے تھے۔

سید ذوالکفل بخاری کی تعلیم کا دوسرا مرحلہ اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ (ملتان) سے شروع ہوا۔ ۱۹۸۱ء میں کلاس ششم میں وہاں داخل ہوئے، یہاں بھی صورتحال مختلف نہ تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں سرکاری تعطیل جمعۃ المبارک کو ہوا کرتی تھی اور ہماری پھوپھی جان جمعرات کی شام کو سب بچوں کے ہمراہ ''دادی اماں جی'' سے ملنے کے لیے تشریف لایا کرتی تھیں۔ بہن بھائیوں کے آجانے سے گھر میں خوب رونق ہوجاتی اور پھر شام کو بچوں بڑوں کی مشترکہ محفل سجتی سید ذوالکفل بخاری اپنے سکول کے دلچسپ واقعات بالخصوص اپنے اساتذہ کے مکالمے اور اپنے سوالات پر ان کے فاضلانہ تعجب اور جواب و استدلال کے واقعات باقاعدہ انہی کے لب ولہجہ اور حرکات وسکنات سے مرصع کر کے سناتے تو سب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوجاتے۔ میرے حافظہ میں ایسی کسی یاد کا ہلکا سا عکس بھی موجود نہیں جو یہ ثابت کرتی ہو کہ سید ذوالکفل بخاری نے عام بچوں کی طرح کرکٹ، ہاکی، فٹبال، گلی ڈنڈا یا اس وقت کے مروج کسی بھی کھیل میں دلچسپی کا اظہار کیا ہو، عظیم الشان ماں کی پاکیزہ روحانی تربیت اور مہربان وشفیق باپ کی تعلیمی توجہات نے میرے بھائی کو اچھی بات سننے، اچھی کتاب پڑھنے اور بہترین عمل کرنے کے اعلیٰ ذوق وشوق کے حصار میں یوں پناہ دی تھی کہ پھر انھوں نے کسی اور طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اپنے بڑے ماموں اور میرے والد ماجد سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے انہیں اس درجہ انس ہوا کہ وہ ان کے منظورِ نظر بن گئے، میں نے بارہا دیکھا کہ سید ذوالکفل، سید ابوذر بخاریؒ کے چہرے پر نظریں گاڑے انہیں گفتگو کرتے دیکھا کرتے لیکن یہ معاملہ محض دیکھنے تک محدود نہ تھا بلکہ ہمہ تن گوش جو کچھ سنا کرتے وہ سطحِ دل و دماغ پر نقش کرتے چلے جاتے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہنگام سیاست بھی عروج پر تھا اور مذہبی وسیاسی مداریوں نے ملک کو تماشہ گاہ بنایا ہوا تھا۔ تحریکیں، جلسے، جلوس، ہنگامے، گولی، لاٹھی اور نہ جانے کیا کیا کچھ قہر وجبر کی زنبیلوں اور مکر وفریب کی پٹاریوں میں سے نکالا اچھالا جارہا تھا۔ ہمارے گھر نامور زعماء تشریف لاتے، گھنٹوں طویل مجالس برپا ہوا کرتیں، مذہب، سیاست، سیرت وتاریخ، شعر وادب، معاش ومعاد سمیت تمام موضوعات پر خوب گفتگو ہوتی۔ بالخصوص ایمان وعقیدہ کے بارے میں وہ منفرد و نایاب علمی تشریحات بیان ہوتیں کہ باید وشاید — اور اب ان کے سننے کو سماعتیں ترستی ہیں۔

سید ذوالکفل بخاری اپنی کمسنی کے باوجود ان نادر و نایاب علمی محفلوں کے سب سے کم عمر سامع وشاہد اور شاید سب سے زیادہ ان سے نفع حاصل کرنے والے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے جو کچھ سنا پھر ان حوالوں کو پوری شعوری کوششوں سے پڑھا بھی۔ سیرت وتاریخ ہو یا مذہب وسیاست، شعر وادب کا میدان ہو یا تحریر وتقریر کا سید ذوالکفل بخاری نے ان تمام شعبوں میں اپنی مہارت، قابلیت اور خداداد صلاحیت کا لوہا اپنے ہم عصروں سے ہی نہیں بلکہ اساتذۂ وقت سے بھی منوایا۔ سید ذوالکفل بخاری قابلِ رشک حافظہ، وسعتِ مطالعہ، مشاہداتی قوت، تطبیقِ امثال کے ہنر، اسلوبِ تحریر کی پختگی و جاذبیت، حکیمانہ طرز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استدلال، نکتہ آفرینی کے جوہر، شاندار لفظی انتخاب سے مرتب و مرصع گفتگو، عالمانہ وجاہت، ادیبانہ تفرد، استادانہ وقار اور کریمانہ اخلاق حسنہ جیسی بے بیش بہا خوبیاں رکھنے کے امتیازات کے ساتھ ساتھ ایک شریف النفس اور بے ضرر، مخلص و ہمدرد، ایک باوفا دوست بھی تھے اور اس کی گواہیاں سید ذوالکفل کے ہم عصروں اور ان کے متقدمین کے ہاں سے ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر عالمی سطح پر معروف ادیب و نقاد، جناب مشفق خواجہ مرحوم کو ہی لیجیے کہ سید ذوالکفل اور خواجہ صاحب کے مابین غائبانہ تعارف کا سلسلہ بذریعہ خط و کتابت ایک عرصہ تک قائم رہا۔ لیکن چند برس پہلے جب ان کا ملتان آنا ہوا تو خاص طور پر سید ذوالکفل بخاری سے ملنے ان کے گھر دارِ بنی ہاشم بھی تشریف لائے۔ وہ اپنی مصروفیت کے باعث ملتان میں کئی بڑی شخصیات سے نہیں ملے تھے لیکن کم عمر ذوالکفل بخاری کو یہ اعزاز ملا کہ خواجہ صاحب نہ صرف ملنے چلے آئے بلکہ ان کے ساتھ بھرپور علمی نشست بھی ہوئی اور پھر واپس لوٹتے ہوئے انھوں نے جو الفاظ ادا کیے وہ یہ تھے:

> میرا ملتان کا سفر جس کام کے لیے تھا وہ اپنی جگہ لیکن اگر میں آپ سے نہ ملتا تو مجھے ہمیشہ اس کا افسوس رہتا، میرے ملتان کے سفر کا حاصل آپ سے ملاقات ہے۔

یہ چند جملے اس شخص نے ادا کیے جس کے بارے میں معروف ہے کہ مشفق خواجہ صاحب ایک سفاک قسم کے نقاد تھے جو بتوں کی طرح ایستادہ نامور ادبی شخصیات پر تیشۂ تنقید یوں چلاتے کہ خود انہی کے ہاتھوں سرزد ہونے والی قلمی کوتاہیوں کو ہتھیار بنا کر ان کی خدائی کے بت منہدم کر دیتے تھے۔ سید ذوالکفل بخاری ہمیشہ اعتراف کیا کرتے تھے کہ کتاب سے اُنس اور اس کی رغبت انہیں والد ماجد سید وکیل شاہ صاحب نے کتابیں مہیا کر کے ڈال دی تھی لیکن مطالعے کی رغبت کا عشق جنون میں تبدیل ہونے کا سہرا اپنے بڑے ماموں سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے سر باندھتے۔ بقول سید ذوالکفل بخاری کہ بڑے ماموں جی سے جو کچھ سنا اس سے پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوا تو کتابوں کے نام اور حوالے بھی انہیں سے مل گئے۔ یوں جذبۂ شوق کی تسکین تو جو ہوئی سو ہوئی لیکن مطالعہ کیسے کیا جاتا ہے؟ وہ ہنر اور سلیقہ بھی اُن سے سیکھنے کو ملا۔

میں یہ بات بڑے وثوق سے تحریر کرتا ہوں کہ میں نے اپنی ممدوح شخصیت سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کو جب کبھی مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے طرزِ ادا اور انہماک میں سید ابوذر بخاریؒ کی جھلک بڑی واضح نظر آتی۔ بڑے بھائی سید کفیل بخاری اور راقم نے متعدد بار اس بات کو دیکھا، موزانہ کیا اور ہمیشہ ہی اعتراف کرتے رہے۔ سید ذوالکفل کو بہت بچپن میں سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ انتہائی محبت سے علامہ کہا کرتے تھے اور ہم سب کو یہ بات بہ ظاہر ایک تفنن بھرا جملہ ہی معلوم ہوتی مگر حقیقت یہی تھی کہ سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ جن شاندار صلاحیتوں کے حامل تھے یہ اس کا برملا اعتراف تھا۔ شاید کچھ لوگوں کیلیے یہ بات ایک انکشاف ہو کہ میرے بھائی سید ذوالکفل بخاری نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کم و بیش ۱۴ برس کی عمر میں الاحرار ہی سے کیا تھا۔ وہ ۱۹۸۳ء سے لے کر ۱۹۸۷ء تک بطور مدیر معاون سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے زیرِ نگرانی الاحرار مرتب کرتے رہے۔ متعدد اداریے بھی لکھے اور مضامین ترتیب دینے میں تو اکثر ان کا حصہ ہوتا تھا۔ الاحرار میں کئی اہلِ قلم کی تحریریں شائع ہوا کرتی تھیں جنھیں ترمیم و اصلاح کے مراحل سے بہر حال گزرنا ہی پڑتا تھا جب کہ سید ذوالکفل بخاری کی تحریر الاحرار میں شائع ہونے والی شاید واحد تحریر کہی جا سکتی ہے جیسے مدیر الاحرار سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ قلم زد یا اصلاح و ترمیم کے بغیر شائع کر دیتے تھے اور یہ بجائے خود اپنی جگہ بہت اعزاز کی بات تھی۔

سید ذوالکفل بخاری وسعت مطالعہ کے لیے ملک بھر کی قدیم و جدید لائبریریوں کو کھنگالنے نادر و نایاب کتابوں تک رسائی حاصل کر کے زیرِ مطالعہ لانے کی تگ و دو بھی تاحیات کرتے رہے، انہیں کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی، فارسی، اردو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزی، پنجابی، سرائیکی یکساں مہارت کے ساتھ لکھنے بولنے پر قادر تھے۔ گزشتہ سطور میں تذکرہ ہو چکا کہ سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ۱۹۸۳ء میں پندرہ روزہ الاحرار سے کیا تھا اور یہ سلسلہ ۱۹۸۸ء تک کسی نہ کسی طور جاری رہا۔ یہ ان کا طالب علمی کا دور تھا، اس لیے زیادہ توجہ صرف نصاب پر ہی رہی جبکہ غیر نصابی سرگرمیاں جو عام طور پر تفنن طبع کے لیے اختیار کی جاتی ہیں سید ذوالکفل بخاری نے ان سرگرمیوں کو بھی اتنا مثبت اور نفع بخش پیرائے میں جاری رکھا کہ ان کی علمی و ادبی حیثیت ایک بہت بڑے حلقے میں مسلم ہوتی چلی گئی، سید ذوالکفل بخاری سی ایس ایس کے امتحان میں طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے بھی تیار تھے۔ ایک دفعہ میں نے یونہی پوچھ لیا تھا کہ بی ایڈ اور ایل ایل بی جیسی ڈگریوں کی کیا خاص ضرورت پیش آ گئی تھی۔ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر جواب دیا بس یونہی خیال آیا کہ یہ بھی کر لینا چاہئے اور اس میں حرج کوئی نہیں لہٰذا کر لیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے: آپ تو جانتے ہی ہیں ہمارے ہاں اصل مسئلہ روزی روٹی کا ہوتا ہے بالخصوص اس نوجوانی کی عمر میں علمی قابلیت کے مظاہرے اور پھر حیثیت تسلیم کرانے میں جو ریاضت درکار ہوتی اور اس کے لیے جتنا وقت خرچ کیا جانا ضروری ہوتا ہے اس عہد کی بے صبر اور فاقوں ماری تیز قدم، جلد باز نسل اس کے لیے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ پہلی ترجیح کے طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ اتنی ڈگریوں کے باوجود گھریلو اخراجات پورے ہوتے ہیں کہ نہیں، یوٹیلٹی بل ادا ہوئے ہیں کہ نہیں۔ ڈگریوں کا یہ معاشی موازنہ ہی دراصل تعلیم اور قابلیت کے انحطاط کا بنیادی سبب ہے۔ اس کسمپرسی کی حالت میں ڈگریاں خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں مگر تعلیم کے وہ عمومی فوائد جو پہلے کسی بھی معاشرہ کا حق اور پھر امتیاز بن سکتے ہیں وہ حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

ہمارے گھر میں سید کفیل شاہ جی اور سید ذوالکفل شاہ جی دو محبت بھرے عرفی ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ کفیل شاہ جی کو حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ ''ننھا'' کہہ کر بلایا کرتے اور ذوالکفل شاہ جی کو گھر کے سب لوگ ''منا'' کہہ کر بلاتے۔ ہمارے ننھے اور منے میاں کی جوڑی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے شاہراہ حیات پر رواں دواں تھی کہ اچانک منے میاں راہ عدم کا موڑ مڑ گئے۔

سید ذوالکفل بخاری کی یاد میں لکھنا ایک قرض تھا اور ہے سو اس لیے یہ چند بے ترتیب سطریں گھسیٹ دی ہیں۔ ۱۵/ نومبر کے بعد سے اب تک نہ جانے کتنی بار کوششیں کر چکا ہوں مگر چند سطور سے زیادہ لکھ نہیں پا رہا، آج بھی لکھنے بیٹھا ہوں تو بہت سی مشکلیں درپیش ہیں۔ یادوں کا ایک گھنا جنگل ہے اور اسی میں بھٹک بھٹک کر مجھے اپنی ممدوح شخصیت سے منسوب واقعات کو تلاش کر کے مربوط و مرتب کرنے کا فریضہ ادا کرنا ہے مگر اس وقت یہ آسان اس لیے نہیں ہے کہ سید ذوالکفل بخاری کی زندگی بارے معلومات کبھی جمع ہی نہیں کی تھیں، مثلاً مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ ڈیپوٹیشن پر سعودیہ جا رہے تھے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ مدرسہ نورالدین زنگی المتوسطہ ملحق منطقہ تبوک میں بطور استاد خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پھر مدرسہ ابی سعید الخدری میں بھی پڑھاتے رہے۔ اسی طرح ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں تعیناتی کی خوشخبری انھوں نے خود سنائی تھی بہت خوش تھے کہ ایک ایسے تعلیمی ادارے سے منسلک ہونے کا موقع ملا ہے جہاں لوگ بہت کوششوں کے باوجود نہیں پہنچ پاتے۔ مجھے ان کی تعلیمی میدان میں ڈگریاں حاصل کرنے کا علم تو کسی حد تک تھا لیکن ان کی غیر نصابی سرگرمیوں بارے بہت کم معلومات تھیں۔ گزشتہ سطور میں لکھ چکا ہوں کہ سید ذوالکفل بخاری نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز الاحرار سے کیا تھا اس کے بعد وہ اپنے بڑے بھائی سید کفیل شاہ جی کی زیرادارت شائع ہونے والے جریدہ نقیب ختم نبوت سے بھی تاحیات منسلک رہے۔

جبکہ دوران تعلیم مختلف جرائد میں بطورِ مدیر و نائب مدیر بھی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۱ء　گورنمنٹ کالج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سول لائنز ملتان اور گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان سے شائع ہونے والے مجلّات کے مدیر رہے۔۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۵ء ہفت روزہ چٹان لاہور کے بیورو چیف رہے۔۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۲ء گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی ملتان کے مجلّہ صناع کے ایڈیٹر انچیف کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ اسی دوران ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۲ء تک روزنامہ خبریں ملتان میں ادبی صفحہ کے انچارج رہے۔ اگر تصنیفی خدمات کے حوالہ سے دیکھا جائے تو سید ذوالکفل بخاری نے اس شعبہ میں بھی کمال ہنر دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، متعدد کتابیں تصنیف و مرتب کیں، کئی غیر مرتب مسودات بکھرے پڑے ہیں۔ اور یہ سب طباعت کے منتظر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے انھوں نے اپنے قریبی دوست حافظ محمد صفوان چوہان کے ساتھ مل کر انتہائی شاندار اور وقیع و ضخیم اردو انگریزی ڈکشنری مرتب کی تھی جو شائع ہو چکی ہے جبکہ ام القریٰ یونیورسٹی میں تعیناتی سے پہلے جب وہ چند ماہ کے لیے ملتان مقیم تھے تو انھوں نے ایک کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ جسے بعض مترجمین نے ہاتھ لگا کر رکھ دیا تھا کہ ہمارے بس کی بات نہیں جو مذکورہ دونوں زبانوں پر ان کے عبور و دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کو ان کی مثالی صلاحیتوں کے باعث ہم سب پیارے سے ''استاد جی'' کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے چچا سید مرتضیٰ شاہ صاحب نے استاد جی کہ کر بلایا تو کہنے لگے آج اس کی وضاحت ہونی چاہیے کہ آخر مجھے ''استاد جی'' کیوں کہا جاتا ہے؟ میں کوئی موٹر مکینک تو ہوں نہیں جو مجھے استاد جی کہا جائے۔ بات کیونکہ مذاق میں ہو رہی تھی اس لیے ان کا احتجاج بھی سنجیدگی بھرے مذاق سے پُر تھا۔ سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کا غائبانہ تذکرہ تو عموماً استاد جی کے نام سے ہی ہوتا تھا۔ ملتان کی ایک ادبی تنظیم کے تحت فاران اکادمی سے وابستہ تھے، جہاں ان کے نظم و نثر کے جوہر کھلتے۔ نظمیں، ادبی مضامین، انشائیے اور اپنے تنقیدی مضامین کے حوالوں سے ہمیشہ منفرد مقام رکھتے تھے۔ دوستوں کے دوست تھے۔ دشمنی کبھی کسی سے نہیں رکھی بلکہ ان کے بہت قریبی دوستوں کا کہنا تھا کہ ہم سوچتے رہتے ہیں کہ ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کو کسی بات پر غصہ بھی آتا ہے؟ اِلّا یہ کہ معاملہ ایمان و عقیدہ کا درپیش ہو۔ اس باب میں انھوں نے کبھی اور کسی مقام پر بھی مصلحت سے کام نہیں لیا تھا۔ دینی معاملات میں اتنے مستقیم تھے کہ سر سے ٹوپی کبھی نہیں اتارتے تھے۔ انتہائی بچپنے میں دوسری کلاس سے لیکر ام القریٰ یونیورسٹی میں بحیثیت استاد تعیناتی تک سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ نے اپنے حلیے اور وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہ آنے دی۔ دورانِ تعلیم ایک موقع پر انھیں ٹوپی سے سر ڈھانپنے کی پاداش میں ایک استاد نے نامناسب روایتی لب و لہجہ بھی اختیار کیا حتیٰ کہ کلاس میں ٹوپی پہن کر بیٹھنے سے بھی روک دیا لیکن سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ نے مسنون عمل کو کسی قیمت پر بھی ترک کرنے سے انکار کر دیا۔

میرے عزیز بھائی جنھیں ہم پیار سے ''استاد جی'' کہا کرتے تھے واقعتاً سچ مچ کے استاد تھے۔ یگانہ فطرت کے باعث پوری زندگی ایک شان و وقار سے جیئے۔ کبھی کسی سے الجھتے نہیں تھے، اکثر کہتے کہ مخاطب کی حیثیت کے مطابق بات کر لی جائے تو بات نہیں بگڑتی، اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر کبھی کبھار مجھے ای میل کے ذریعے میرے مزاج کے مطابق مختلف چیزیں بھیجتے رہتے۔

میرے پاس سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ سے وابستہ یادوں کا انبار ہے مگر لکھنے سے عاجز ہو رہا ہوں، سمجھ نہیں آتا بات کہاں سے شروع کروں، کون سی بات چھوڑوں اور کس کو بیان کروں؟ اسی الجھن میں کئی دن بیت گئے ہیں آج اپنی ادھوری تحریر کو اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں۔

سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ مکہ مکرمہ سے تشریف لائے ہوئے تھے، ایک دن صبح کے وقت دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانا ہوا تو نقیب ختم نبوت کے دفتر میں بیٹھے تھے، حسب معمول انتہائی گرم جوشی سے مصافحہ و معانقہ کر کے ملے۔ حسن اتفاق ہی کہیے کہ کچھ دیر بعد ڈاکٹر عبدالرازق صاحب بھی تشریف لے آئے اور محفل سج گئی۔ موضوع گفتگو حالات حاضرہ سے جو پلٹا تو شاعری کی طرف آ گیا، اچانک کہنے لگے، مسعود اوکاڑوی کے چند شعر سنیے اور ان اشعار سے پہلے بطور تمہید کہنے لگے میرا خیال ہے مسعود اوکاڑوی کی بخشش شاید اس کے اسی ایک شعر پر ہو جائے گی، اس کے بعد پوری غزل سنائی جس کے چند اشعار حافظہ میں رہ گئے، جو یہ ہیں:

پھر وہی دن وہی شام میرے سامنے ہے　　منطقی طور پہ انجام میرے سامنے ہے
جس کو نمٹاتا ہوں ہر روز نئے عزم کے ساتھ　　روزمرہ کا وہی کام میرے سامنے ہے
چار دن عمر کے حائل ہیں ابھی رستے میں　　ورنہ وہ گوشۂ آرام میرے سامنے ہے

آخری شعر سنا کر کہنے لگے میں سمجھتا ہوں یہ شعر حاصل غزل ہے۔

سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ نے مختصر سی زندگی بہت بھرپور انداز میں گزاری وہ بہت کچھ کر چکے تھے، بہت کچھ کر رہے تھے اور مزید بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، انہیں دیکھ کر ہمیشہ یہ شعر ذہن میں تازہ ہو جاتا۔

خرام بہ ایں صفت مبادا
کز چشم بدت رسد گزندے

مگر آہ — نظر لگ ہی گئی۔ ۱۵/ نومبر ۲۰۰۹ء کے دن پیکِ اجل ایک حادثہ کی صورت آن پیوست ہوا اور ہم سب کے محبوب و محسن، استاد جی عالم فنا سے عالم بقا کو رخصت ہو گئے۔ موت اپنی جگہ برحق ہے اور اپنے پیاروں سے دائمی جدائی کا دکھ بھی مسلم ہے مگر دل کو خوشی اور اطمینان یہ ہے کہ سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ ہمیشہ بلند بخت رہے ان کا ستارہ اوجِ ثریا پر جگمگاتا رہا۔ انھوں نے کبھی کسی کو اپنے مدمقابل ٹھہرنے نہیں دیا تھا، وہ ہمیشہ جیت جاتے تھے اور زندگی بھر بلند بخت بنے رہنے کا یہ سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی نہیں ٹوٹا۔ اس کو سوائے بلند بختی و خوش قسمتی کے اور کیا نام دیا جا سکتا ہے کہ ان کی نماز جنازہ بیت اللہ شریف میں ادا کی گئی حج کا موقع تھا اس لیے کم و بیش ۲۲ لاکھ انسانوں نے مغفرت کی دعاؤں سے انہیں نوازا، یاد کیا اور رخصت کیا اور پھر تدفین کے مراحل آئے تو میرا بھائی ایک بار پھر سبقت لے گیا۔ جنت المعلیٰ میں تدفین کی اجازت ملی اور ام المؤمنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے قدمینِ مبارک میں سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ آسودۂ خاک ہوئے۔ بقول حضرت مولانا محمد مکی صاحب مدظلہ ''جنت المعلیٰ میں حضرت امیر شریعت نے اپنا نمائندہ بھیج دیا ہے۔'' سید ذوالکفل بخاری ام السادات کے قدموں میں راحت پذیر ہیں۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ایک بیٹا ام المؤمنین کے حصارِ رحمت و شفقت میں قیامت تک کے لیے آرام فرما ہے، واہ استاد جی — میرے خوش بخت استاد جی — آپ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر جیت گئے ہو، بہت آگے نکل گئے ہو — اس اعزاز و اکرام کے ملنے پر مبارک ہو —

استاد جی — ایک غریب الدیار بھائی کی جانب سے ہدیۂ تبریک پیش ہے۔ قبول کر لیجیے —
استاد جی آپ کے مرقدِ منور پر اللہ کی بے حساب رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، آمین

© rasailojaraid.com